ڈاکٹر شریف احمد
سابق استاد شعبۂ اردو، دہلی یونیورسٹی دہلی

بیسویں صدی کا ایک مردِ عارف

نہیں کہا جاسکتا کہ Pan-Islamism کی اصطلاح سب سے پہلے کس نے استعمال کی، لیکن اتنا وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ اٹھارہویں صدی کے اواخر میں ایک مردِ خود آگاہ اور حریت پسند، جمال الدین اسد آبادی کے نام اور کام کے سلسلے میں یہ اصطلاح باربار استعمال ہوئی۔ اسد آبادی اپنی مراد کو نہ پہنچ سکے، لیکن انھوں نے اپنے متبعین کی ایک قطار ضرور پیدا کردی، جس کے نامور فرزند، اپنی جان کا نذرانہ دے کر، ان کے پیغام کو ایک نسل کے بعد دوسری نسل تک، اور ایک ایشیائی غلام ملک کے بعد دوسرے ایشیائی غلام ملک تک پہنچاتے رہے۔ مغربی استعمار گہرا ہوتا رہا، زیادہ پھیلتا رہا۔ مشرق میں اس نے دو رنگ اختیار کیے۔ ایک مستقیم اور سیدھا، سیدھا سیاسی تسلط جیسے ہندوستان پر، دوسرا بالواسطہ سامراجی تسلط، جیسے ایران پر۔ اول الذکر میں ڈیڑھ سو، دو سو سال بعد آزادی کا حصول، پارلیمانی جمہوریت کی شکل میں، آخر الذکر میں شاہی (Monarchy) نظام کو، کمال عیاری کے ساتھ کٹھ پتلی کے طور پر صدیوں باقی رکھ کر، بقائے باہمی کا دھوکا دیا گیا۔ ہندوستان میں غلبہ حاصل کرنے کی کشمکش یوں تو کئی یوروپی طاقتوں میں رہی، لیکن برطانیہ اور فرانس اس میں پیش پیش تھے۔ ان میں بھی میدان برطانیہ کے ہاتھ رہا کیونکہ وہ چالاک تر تھا۔ ایران میں بھی ان طاقتوں کی سیاسی دھوپ چھاؤں نظر آتی ہے، لیکن ایرانی تہذیب و تمدن پر فرانس کے اثرات شروع میں زیادہ گہرے رہے۔ دوسری عالمی جنگ کے بعد ایک تیسرا زیادہ طاقتور ملک امریکہ سب سے بڑا شاطر بن کر ابھرا--- ایسا نہیں ہے کہ ایران کی سرزمین سے فرانسیسی، برطانوی اور امریکی سامراجیت کو للکارنے والے پیدا نہیں ہوئے--- نہیں! دسیوں، بیسیوں قائد اور رہنما پیدا

ہوئے، جن کا احترام بے حد ضروری ہے۔ لیکن بیسویں صدی کی پہلی دہائی میں ایران کی مٹی نے ایک ایسے سپوت کو جنم دیا جس نے ۱۹۷۹ء میں، نہ صرف ایران، پاس پڑوس کے ممالک، بلکہ ساری دنیا کو حیرت میں ڈال دیا۔ جس نے ''ڈھائی ہزار سالہ مطلق العنان شاہی بلکہ شہنشاہی'' کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکا، اور اُس کی جگہ امن، انصاف، مساوات، احترامِ آدمیت پر مبنی اُس معاشرے کو اسوہ و نمونہ بنایا جو چودہ سو برس پہلے انسانیت کے محسن، پیغمبرِ اسلامؐ نے عرب میں پیش کیا تھا --- ایران کے اس محسن کو زمانے نے امام خمینیؒ کہہ کر یاد کیا۔

درحقیقت امام خمینیؒ کی شخصیت میں کوئی حیرت انگیز بات تو ضرور تھی جس نے دنیا کے نامور علماء وفقہاء، دانشوروں کو ان کی طرف متوجہ کر رکھا تھا۔ جو مورخ اور مفکر، سیاست داں اور اہلِ نظر انھیں مختلف خصوصی صفات کے ساتھ یاد کرتے ہیں — انقلابی، حریت پسند، مذہبی مجاہد، تاریخ کا نباض، افراد اور جماعتوں کی نفسیات کا واقف کار، شاعر، ساحر اور مرد عارفان وتصوف وغیرہ وغیرہ۔ ایک ماہرِ خمینیات نے تو آسانی سے اس مردِ خود آگاہ کی شخصیت پر Thomas Carlyle کی Hero-Worship تک کا لیبل لگا دیا ہے — سوال یہ ہے کہ پھر امام خمینیؒ کو کس نام سے یاد کیا جائے؟ آیئے، اُن کی زندگی کے اہم واقعات پر ایک سرسری نظر ڈالیں۔ شاید اس سے کچھ معنی خیز اشارے مل سکیں۔

امامِ موصوف نے ۲۴ ستمبر ۱۹۰۲ء کو خمین نام کے ایک غیر معروف قصبے میں آنکھ کھولی۔ ان کا گھرانا علماء کا گھرانا تھا۔ صغر سنی ہی میں والد کا انتقال ہو گیا۔ آیت اللہ عبدالکریم کی دینی درسگاہ میں مذہب اور اخلاق کا رنگ گہرا چڑھ گیا۔ علم کی پیاس انھیں قم اور اراک جیسے مقامات پر لے گئی۔ اُنتیس سال تک پہنچتے پہنچتے، وہ علوم متداولہ کا مطالعہ کر چکے تھے — لیکن عمر کی اس منزل پر انھوں نے تاریخِ اسلام، قرآن پاک، بانیِ اسلام اور احادیث کا بھی بھرپور مطالعہ کیا۔ شہیدِ کربلا، ان کا خصوصی موضوع تھا — اسی سن و سال میں ایک زبردست تضاد اُن

کے سامنے آیا ـــــ اسلامی تاریخ اور کتاب و سنت نے انھیں حریت، آزادی، عدل و انصاف اور مساوات کی تعلیم دی، اور حکومتِ وقت نے شاہی، استحصال، ظلم و جبر، تشدد اور نا انصافی کے مناظر پیش کیے۔ علماء اسلامی تاریخ کے ہر دور میں کم و بیش موجود رہے تھے، اور امام خمینیؒ کے زمانے میں بھی ان کی بڑی تعداد موجود تھی۔ لیکن اُن کی باریک بیں نظر نے ان میں دو طبقے دیکھے: ایک حالات سے سمجھوتا کرنے والا، عافیت کیش و مصلحت پسند، دوسرا ظلم و جبر کا مخالف۔ پہلا طبقہ تعداد میں بہت بڑا، دوسرا تعداد میں کم، بہت کم۔ اپنی افتادِ طبع اور عالی گہری نظر کے باعث امام خمینیؒ نے دوسرے طبقے سے اپنا رابطہ قائم کرلیا ـــــ اور اپنی مخصوص بصیرت کے باعث اس طبقے کے وہ پیشوا بن گئے۔ کسی بھی حکومتِ وقت نے اپنے مخالف کی پیشوائی کب قبول کی ہے؟ مقامی اور علاقائی حکام سے ٹکراؤ شروع ہوکر، یہ ٹکراؤ آریامہر رضا شاہ پہلوی تک جا پہنچا ـــــ حضرت خمینیؒ نے پہلے قید و بند کی مشقتیں جھیلیں، پھر جلاوطنی کی زندگی ترکی، عراق اور فرانس میں بسر کی۔ لیکن مقامِ حیرت ہے کہ ان سب مظالم کے باوجود ایران کے عام باشندوں کا احتجاج بڑھتا ہی گیا۔ خمینیؒ ہزاروں میل دور سے اپنے معتقدین کی رہنمائی کرتے رہے۔ کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ رضا شاہ نے اپنی انسانیت کش خفیہ تنظیم ساواک کا Savak استعمال کیا۔ امریکہ نے اپنی سی آئی اے کا پورا زور لگادیا ـــــ لیکن بیسویں صدی کا ایک حیران کن انقلاب "انقلابِ اسلامی ایران" عالمی افق پر رونما ہوکر رہا۔ آریامہر کو راہِ فرار اختیار کرنی پڑی۔ امریکہ کو اپنی سی آئی اے کی بے اثری پر سخت افسوس ہوا۔ امام خمینیؒ کے استقبال کے لیے پورا ایران اُمنڈ پڑا اور یوں امام مذکور نے لمبے عرصے تک ایشیا کے ایک بڑے اور اہم ملک کی سربراہی کی۔

شاہی حکومت کی مخالفت، عدم مساوات، ظلم و جبر کی شدت، مغربی راہ و روش کی پیروی مغربی، اسلامی روایات اور اخلاقیات سے دوری، ایسے عناصر نہیں ہیں، جن کی بنیاد امام خمینیؒ

کے کسی ذاتی نقصان، کینہ یا نفرت سے وابستہ کیا جاسکے ــــ اس میں شک نہیں کہ جلاوطنی کی حالت میں امام کے بڑے بیٹے مصطفیٰ خمینی کا انتقال امام موصوف کے لیے بڑا زبردست صدمہ تھا اور بعض لوگوں نے اُسے حکومتِ وقت کی زہرخورانی کی سازش پر محمول بھی کیا۔ لیکن امام خمینیؒ موت وزیست کے فیصلوں کو الٰہی فیصلہ سمجھتے تھے، اس لیے اس سانحۂ ارتحال کو بھی وہ خندہ روئی سے برداشت کر گئے ــــ اصل میں ہوش سنبھالنے سے لے کر اپنی آخری سانس تک وہ ایک مخصوص راستے پر چلتے ہوئے، ایک خاص نقطۂ نظر اور خاص فلسفے کو اختیار کرتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ خدا کے وجود اور اُس کی وحدانیت پر اُن کا یقین غیرمتزلزل تھا۔ رسالت، کتاب وسنت کی تعلیمات پر اُن کا عقیدہ اٹل تھا۔ امام حسینؑ کی شہادت نے انھیں کبھی نہ بھولنے والا درس دیا تھا۔ وہ شیعیت اور سنیت اور دوسرے مسلکوں کے اختلاف سے اوپر اُٹھ چکے تھے۔ وہ زندگی کو ایک امتحان سمجھتے تھے۔ خیر کی حمایت اور شر کی مخالفت وہ اپنی جانِ شیریں دے کر بھی کرسکتے تھے۔ اُن کے قول اور فعل میں کوئی تضاد نہ تھا ــــ مسندِ رُشد وہدایت پر دوسروں کی طرح وہ بھی بیٹھتے تھے۔ منبر پر بیٹھ کر ہی تقریر وہ بھی کرتے تھے۔ مختلف موضوعات پر دوسروں ہی کی طرح خامہ فرسائی انھوں نے بھی کی ہے۔ اپنے پیرووں اور عقیدت مندوں کو راستے انھوں نے بھی بتائے ہیں ــــ لیکن کوئی بات تو تھی کہ جس نے امام خمینیؒ کے کلام، تقریر وتحریر میں اور دوسروں کے کلام، تقریر وتحریر میں بڑا فرق پیدا کردیا تھا۔ غالب کی زبان میں:

چاک مت کر جیب بے ایامِ گل
کچھ اُدھر کا بھی اشارہ چاہیے

یہ ''اُدھر کا اشارہ'' ہی تھا، جس نے اُن میں اور دوسروں میں ''تفاوت'' پیدا کردیا تھا ــــ اُن کی تقریر جیسے بادِ صبا کے دوش پر اُڑتی تھی۔ اُن کی تحریر پڑھنے والوں کی آنکھوں کا سرمہ بن جاتی تھی۔ اُن کے ٹیپ دست بہ دست، شہروں شہروں اور قریوں قریوں سفر کرتے

تھے۔

شاہ اور اُس کے متوسلین کا مقابلہ، Savak اور شاہ ہی کے الفاظ میں اُس کی فوج ظفر موج (جس کو وہ بیسٹ فائٹنگ مشین آف ایشیا (Best Fighting Machine of Asia کہا کرتا تھا) سے پنجہ زم کرنا اور پھر سی آئی اے کی طاغوتی چالوں کو بے اثر کردینا کوئی بازیچۂ اطفال نہ تھا۔ اور سب سے آخر میں لیکن سب سے اہم یہ کہ انقلاب کے بعد خانہ جنگی سے بچنا، مقننہ، عدلیہ اور انتظامیہ میں ایک نئی رُوح پھونک دینا عراق کے ڈکٹیٹر صدام کی عملی طویل اور ظالمانہ جنگ میں فتح یاب ہونا غیر معمولی بلکہ محیر العقول کام ہیں۔ یہ سب کچھ ''اُدھر کا بھی اشارہ'' نہیں تو کیا ہے؟

ایسا مشارٌ الیہ ہی امریکہ کو ''شیطانِ کبیر'' اور رُوس کو ''شیطانِ عظیم'' کہہ سکتا ہے — اور گرباچوف کو تعلیماتِ اسلامی پر مبنی خط لکھ سکتا ہے۔

غرض یہ کہ حالات اور واقعات کے اس چوکھٹے میں امامِ موصوف کو بہت سے ناموں سے یاد کیا جاسکتا ہے۔ لیکن ان سطور کے رقم کو انھیں مردِ عارف کے نام سے یاد کرنا کہنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ صوفی سے زیادہ حاوی ہے — انگریزی کے بڑے لغات، دیگر مفاہیم کے ساتھ اِس کا ایک مفہوم یہ بھی بتاتے ہیں:

"A man having a hidden relation with God"

یہ حضرت امام خمینیؒ کی سولھویں برسی ہے — آج ایران پھر مغربی ممالک کی بجلیوں کی زد میں ہے۔ دُنیا کی نگاہیں ایران پر لگی ہوئی ہیں۔ اگر ایران کے صاحبانِ اقتدار خمینیؒ موصوف کی تعلیمات کا دامن مضبوطی سے تھامے رکھیں، تو یقینِ واثق ہے کہ وہ اس آزمائش میں بھی کھرے اُتریں گے۔